حرف آخر

۲۰۲۰ء۔۲۰۱۹ء

نگران مجلّہ

ڈاکٹر شازیہ ساجد

مدیرہ

فاطمہ امتیاز

کنیئرڈ کالج برائے خواتین لاہور

فہرست مضامین

نمبر شمار	اداریہ-افسانے	مصنفہ	صفحہ نمبر
-1	عزت	فاطمہ امتیاز	3
-2	خودکو ناکارہ نہ سمجھو	ادیبہ خان	5
-3	بہتری کی دعا	آمنہ طارق	9
-4	حسن کی پجاری	آمنہ طارق	12
-5	ڈھائی ماہ کے لاک ڈاؤن کے بعد پہلا سفر	آمنہ طارق	15
-6	دوستی	ابیحہ یوسف	18

نمبر شمار	حرفِ سخن	شاعرہ	صفحہ نمبر
-1	مقام محمدیؐ	اعراس عامر	21
-2	جناح کشمیر کا	اعراس عامر	23
-3	کورونا	رومائزہ فیصل	25
-4	دعا	رومائزہ فیصل	27
-5	ایک خیال	ایمن ماجد	29
-6	احساس	اسوہ متھیرا	30
-7	غزل	ناجیہ محمود	32
-8	یہ لوگ	ماہم اشفاق	34

نمبر شمار	مضمون نگاری	مصنفہ	صفحہ نمبر
-1	مجاز سے حقیقت تک	آمدِ طلعت	35
-2	مسکراہٹ پیامِ زندگی	ماہم اشفاق	38

اداریہ

بطور ایڈیٹر اپنے جذبات واحساسات کو الفاظ کا لبادہ پہناتے ہوئے میں مختلف کیفیات میں غوطہ زن ہوں۔ مئی 2019ء کی ایک یادگار صبح، حلف برداری کی تقریب میں مجھے اردو ایڈیٹر کی ذمہ داری تفویض کی گئی اور یوں میری زندگی میں تحریر وتقریر کے ایک خوبصورت سفر کا آغاز ہوا۔ یہ سفر حصول علم، بہترین تربیت، کردار سازی اور خود اعتمادی کی بنیاد ثابت ہوا۔ کالج کے اردو میگزین کو مرتب کرتے ہوئے گزشتہ سالوں کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے انتہائی لگن اور ذمہ داری کے ساتھ کنیئرڈ کالج کی ہونہار طالبات کی کاوشوں کو شامل کیا گیا ہے۔

بحیثیت ایڈیٹر میں نے اور میری ٹیم نے حد درجہ کوشش کی ہے کہ میگزین کے اردو سیکشن میں حدت، ندرت اور نکھار پیدا کیا جائے یوں قومی زبان کی کھوئی ہوئی قدر و قیمت کو بحال کر کے اس زبان کی ترویج واہمیت کو فروغ دیا جائے۔

ہماری مشترکہ کاوش کو سراہے جانے کی امید کرتی ہوں اور آپ سب سے حوصلہ افزائی کی متمنی ہوں۔

اس میگزین کو عملی جامہ تک پہنچانے میں ڈاکٹر شازیہ ساجد نے بے حد رہنمائی فرمائی۔ میں ان کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

صدر اردو میگزین سوسائٹی

فاطمہ امتیاز

یوم اقبال

۳ نومبر ۲۰۱۹ء کی ایک حسین صبح کنیئرڈ کالج کا ہلا دیہ ہال کچھا کچھ طالبات کے ساتھ بھرا ہوا تھا۔ کنیئرڈ کالج کی اردو میگزین سوسائٹی نے شاعر مشرق اور مفکر پاکستان کی سالگرہ منانے کے لیے اور انہیں خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک تقریری مقابلے کا انعقاد کیا تھا۔ اقبال کے شاہین ان کی ولولہ انگیز شاعری سے متاثر ہو کر اس مقابلے کے ذریعے ان کے پیغام کو دوبارہ روح بخشنے کے لیے تیار تھے۔ علامہ اقبال ایک ایسی شخصیت ہیں جس سے اس قوم کا ہر خاص و عام آشنا ہے۔ لیکن دنیا کی تگ و دو میں شاعر مشرق کا وہ خواب جو انہوں نے اپنی نوجوان نسل کے لیے دیکھا تھا۔ جہاں وہ اپنے شاہینوں کو آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتا دیکھتے تھے، وہ دنیا کی دھوپ چھاؤں میں کہیں کھو سا گیا تھا۔ اردو میگزین سوسائٹی کا یہ عزم تھا کہ اقبال کی آواز دوبارہ نوجوان نسل تک پہنچائی جائے اور ان میں جوش و خروش کی روح بخشی جائے جس کے تحت اقبال کے پیغام پر مبنی ایک تقریری مقابلے کا انعقاد کیا گیا۔

اس مقابلے میں کالج کی طالبات نے بڑے عزم اور جوش سے حصہ لیا۔ اس مقابلے کے مصنفین میں کالج کے شعبہ اردو کی ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر شیبہ عالم، شعبہ اردو کی بہترین استاد بشری سیرین، کالج کی ہیڈ گرل نتاشہ فیصل اور قومی سطح کی بہترین مقررہ عائشہ خلیل شامل تھیں۔

تقریب میں اقبال کی نظم ''ہر لحظہ ہے مومن'' کو ترنم کے ساتھ پرفارم کیا گیا جس نے سامعین پر ایک سمہ باندھ دیا۔

تقریب کے اختتام پر وائس پرنسپل محترمہ ڈاکٹر نگہت خاں نے اردو میگزین سوسائٹی کی کاوشوں کا سراہا اور مقابلے میں شرکت کرنے والی طالبات میں انعامات تقسیم کیے۔

عزت

فاطمہ امتیاز

سنو حمیدہ، اس سے اچھا رشتہ تمہاری بیٹی کو اور کہاں ملے گا اکلوتا لڑکا ہے ارسلان اور ڈیفنس میں اتنا شاندار بنگلہ ہے ان کا اور پھر جمع جمایا کاروبار ہے، عیش کرے گی تمہاری بیٹی۔ آمنہ جو ابھی کالج سے گھر آئی ہی تھی صحن میں بیٹھی اپنی امّی اور رشتہ کرانے والے پروین کی باتیں سن کر گیٹ سے چند قدم آگے رک گئی۔ اس کے لیے پروین کا چہرہ اجنبی بالکل نہیں تھا وہ کئی دفعہ اپنے گھر میں کئی رشتے لاتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ آمنہ آگے بڑھی اپنی امّی اور پروین کو سلام کیا اور پھر اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ اس دن اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ اسی روز شام کو اس کی امّی نے آمنہ کو اپنے پاس بلایا اور ایک نئے رشتے والوں کی آمد کی خبر دی۔ ''آمنہ پروین تمہارے لیے ایک بہت اچھا رشتہ لائی ہے۔ بہت امیر کبیر لوگ ہیں لیکن وہ ذرا سادہ لوگوں میں اپنے بیٹے کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ پروین نے کہا اسے فوراً تمہارا خیال آیا اور اس نے ان لوگوں تمہارا رشتہ دیکھنے کے لیے رضامند کر لیا ہے۔ بھلا تمہاری شادی یہاں ہو جائے تو کتنا بھلا ہو جائے۔ تمہارے ابو کے گزر جانے کے بعد میں بس یہی سوچتی ہوں کہ اپنی زندگی میں ہی تمہاری اور سعدیہ کی شادی کر دوں۔ زندگی کا کیا بھروسہ پتہ نہیں اور کتنی سانسیں باقی ہیں۔

آمنہ جو کہ ابھی اپنی پڑھائی مکمل کر کے کچھ کرنا چاہتی تھی۔ اپنی ماں کا سہارا بننا چاہتی تھی اپنی ماں کی روہانسی آواز سن کر کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ اس کے ابو کے گزر جانے کے بعد اس کی امّی نے جس طرح ان دو بہنوں کو پالا تھا آمنہ، اس بات سے بخوبی واقف تھی۔ اس کی امّی صبح سکول میں پڑھاتی تھیں اور پھر گھر لوٹ کر آرام کرنے کے بجائے پورا دن کڑھائی کرتیں۔ ان کا گزر بسر عزت کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ عیش و عشرت نہیں تھے مگر عزت کی روٹی ان کے لیے بہت فخر اور سکون دہ بات تھی۔

اگلے روز آمنہ کالج نہ گئی کیونکہ آج لڑکے والے اسے دیکھنے آ رہے تھے۔ آمنہ نے آج وہی نیلا جوڑا پہن لیا جو وہ ہمیشہ ایسے ہی کسی نہ کسی لڑکے والوں کے آنے پر زیب تن کرتی تھی۔ آج ایک بار پھر وہ قسمت کے کھیل کے آگے جھک گئی۔

رشتے والے آئے آمنہ کو دیکھا اور کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ چند روز بعد پروین نے آ کر خوشخبری سنائی کہ لڑکے والوں کو آمنہ بہت پسند آئی ہے اور اب وہ جلد از جلد رسم کرنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ اس دن آمنہ کے گھر عید کا سا سمع تھا۔ آمنہ کی امّی نے فوراً مٹھائی منگوا کر سب کا منہ میٹھا کروایا۔ ان کے منہ سے شکر کے کلمے کے علاوہ اور کچھ نکل ہی نہ رہا تھا۔ اگلے دن حمیدہ نے لڑکے والوں کو رسم کی تاریخ طے کرنے کے لیے فون کیا تو آمنہ کی ہونے والی ساس نے کہا کہ ''دیکھیں ارسلان ہمارا اکلوتا بیٹا ہے اور ہمیں اس کی شادی کے بے حد ارمان ہیں۔ اس کی بہنیں تو اتنی خوش ہیں کہ وہ کہہ رہی ہیں بے شک رسم ہی کیوں نہ ہو ہم تو سب رشتے داروں اور اپنی سہیلیوں کو بلوائیں گے اور دھوم دھام سے اپنے بھائی کی ہر خوشی منائیں گے تو اب آپ برا نہ مانیں تو آپ کا گھر ذرا چھوٹا ہے اور ہے بھی ایسے علاقے میں جہاں ہمارے رشتے داروں کا آنا مشکل ہے اگر آپ کوئی شادی ہال بک کرا لیں تو بہت بہتر رہے گا اور دیکھیں بہن کچھ لینے دینے کی

ضرورت نہیں ہم بوجھ ڈالنے والے لوگوں میں سے نہیں''۔

غریبوں کی خوشی بھی بہت کم لمحات کے لیے ہوتی ہے۔حمیدہ جن کے چہرے پر سکون اور اطمینان نے ابھی بسیرا ڈالا ہی تھا وہ دوبارہ روٹھ گئے اور اس کی جگہ نئی پریشانی نے لے لی۔اب انہیں فکر ستانے لگی کہ آمنہ کی رسم کے لیے اتنی رقم کہاں سے آئے گی۔

آمنہ جو یہ سب دیکھ رہی تھی بے حد بددل ہو چکی تھی۔وہ پہلے بھی اس رشتے سے خاص خوش نہ تھی وہ بس اپنی امّی کی خاطر خاموش تھی۔چند روز ایسے ہی گزر گئے پھر ایک رات آمنہ نے اپنی امّی کو رات کے آخری پہر جائے نماز پر دبی دبی آواز میں زار و قطار روتے ہوئے دیکھا تو اس کے بھی صبر کا باندھ ٹوٹ گیا۔اگلے روز کالج جانے سے پہلے آمنہ نے اپنی امّی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے پاس بٹھایا اور کہا ''امّی آپ نے ہمیشہ ہمیں ایک ہی سبق پڑھایا کہ چاہے تمہیں ایک کی جگہ آدھی روٹی ہی کیوں نہ کھانی پڑ جائے لیکن کبھی اپنے رب کے علاوہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا کہ عزت دنیا میں سب سے قیمتی شے ہے اور آپ میری ایک چھوٹی سی رسم کے لیے کتنے رشتے داروں کو قرض مانگنے کے لیے فون کر چکی ہیں اور ابھی تو شادی بہت دور کی بات ہے۔ایسے لوگ جو مجھے آپ پر بوجھ بنا دیں، ہماری عزت کو پامال کریں، ہمیں مانگنے پر مجبور کر دیں کیا وہ لوگ میرے قابل ہیں؟نہیں امّی ایسے لوگ میرے قابل نہیں۔مجھے عزت چاہیے پیسہ نہیں اور جو ہمیں عزت نہ دے سکیں ہمارے گھر اپنے رشتہ دار تک لانا پسند نہ کریں وہاں آپ اپنی بیٹی دینے کو تیار ہیں؟ آمنہ کی امّی جو آمنہ کو فخر کی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں انہوں نے اس کا ماتھا چوما اور اسے کالج جانے کو کہا۔آج انہوں نے ہمیشہ کی طرح اپنی عزت کا انتخاب کیا تھا۔

خودکو ناکارہ نہ سمجھو

ادیبہ خان

(یہ لاہور کے مشہور و معروف الحمرہ کے ایک ہال کا منظر ہے، جہاں بہت سے دلبرداشتہ بچوں اور ان کے والدین کی مشاورت کی جارہی ہے)

''السلام علیکم! میرا نام صدف شاہ ہے۔ مجھے یہاں آکر بے حد خوشی ہورہی ہے۔ مجھے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ آپ لوگوں کی رہنمائی کے لیے ہمارے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی چنا ہے میں بھی کسی کے کام آئی ورنہ ایک وقت تھا میں خود کو بالکل ناکارہ سمجھتی تھی۔ مگر کوئی بھی ناکارہ نہیں ہوتا۔ اس موضوع پر بات شروع کرتی ہوں، جس پر بات کرنے کے لیے مجھے یہاں مدعو کیا گیا ہے۔ آپ لوگوں کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔

''میں آپ لوگوں کو ایک مختصر سی داستان سناتی ہوں''۔

صدف مہمانوں میں سے ایک ہرنی آنکھوں والی نقاب پوش تھی جس نے سٹیج پر آکر بولنا شروع کیا۔ صدف کی آنکھوں میں بات کرتے ہوئے ایک انوکھی سی چمک تھی۔

رات کا وقت تھا۔ ایک سیاہ حجاب والی لڑکی لاہور کے ایک ہاسٹل کے باہر بینچ پر بیٹھی تھی۔ وہ اپنی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے آسمان پر چودھویں کے چاند کو تک رہی تھی۔ اس کو چاند بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ لڑکی بھی خوبصورتی کی ایک مثال تھی۔ دودھیا رنگ، ہرنی آنکھیں، تیکھے نین نقش اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتے تھے۔ لیکن اس کے چہرے پر ایک داغ تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کو عجیب سی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے رشک سے چاند کو دیکھ رہی تھی اور اپنی سوچوں میں گم تھی۔ اس کی سوچوں کا تسلسل کسی کی آواز نے توڑا۔

''السلام علیکم! اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا میں ادھر بیٹھ جاؤں؟ اس لڑکی نے نظر اٹھا کر گلابی رنگ کے حجاب والی لڑکی کو دیکھا۔ اور سر کے اشارے سے اس کو بیٹھنے کی اجازت دی۔ اس لڑکی کے بیٹھتے ہی نا جانے کیوں سیاہ حجاب والی لڑکی کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔

''میرا نام علیزے عباس ہے۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے کافی دیر سے آپ کو بیٹھے چاند کو دیکھتے اور روتے ہوئے دیکھا تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ آپ کا نام جان سکتی ہوں؟ علیزے بھی چاند کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن بات سیاہ حجاب والی لڑکی سے کر رہی تھی۔ علیزے کی نظر بہت تیز تھی۔ اس کی نظروں سے کبھی بھی کوئی چیز مخفی نہ رہی تھی۔

سیاہ حجاب والی لڑکی نے حیرت سے علیزے کو دیکھا جو خوبصورتی کی اپنی ایک مثال تھی۔ سیاہ موٹی موٹی آنکھیں۔ تیکھی ناک، باریک ہونٹ، چاند کی روشنی میں چمکتی ہوئی اجلی رنگت اس کو اپنا آپ علیزے کے آگے عجیب سا لگ رہا تھا۔

لیکن علیزے سے اس نے کوئی بات نہ کی۔ کافی دیر علیزے اس لڑکی کے جواب کی منتظر رہی لیکن ناکام اپنے کمرے میں لوٹی۔ یہ

سلسلہ ایک دو ہفتے چلتا رہا اور علیزے نے ہار نہ مانی۔ وہ روز رات کو اس لڑکی کے پاس جا کر بیٹھ جاتی تھی اور ناکام اپنے کمرے میں لوٹتی تھی۔

پھر ایک دن اس لڑکی نے علیزے سے اعتماد کر کے اس سے بات شروع کی۔

''مم میرا ننن نامم صصص صدف شاہ ہے'' صدف کے منہ سے لفظ ہی ادا نہیں ہو رہے تھے۔ دراصل سڈف کو لوگوں سے بات کرتے ہوئے ایک عجیب سی گھبراہٹ گھیر لیتی تھی۔ اس کو دوسرے کے سامنے اپنا آپ پستی کا شکار لگتا تھا۔

''صدف میں کوئی جن نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی آدم خور۔ میں ایک انسان ہوں فیل فری (Feel Free)۔ آپ کیوں اتنا گھبرا رہی ہیں؟ علیزے نے دھیمی سی آواز سے پوچھا۔

''نن نہیں میں گھبرا تو نہیں رہی''۔ صدف نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ دونوں ہی اس وقت چاند کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اس وقت دیکھنے سے مکمل اجتناب کیا ہوا تھا۔ ایک نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ سے دوسری نے اپنی ساتھی کو نروس نہ کرنے کے لیے۔ دونوں کے درمیان مکمل خاموشی کا راج تھا لیکن یہ خاموشی بھی بڑی معنی خیز تھی۔ ایک بات شروع کرنے کے لیے لفظ ڈھونڈ رہی تھی تو ایک فرار کا راستہ تلاش کر رہی تھی۔ ''صدف میں آپ کو اصل میں کافی دنوں سے نوٹ کر رہی تھی۔

لیکن اس دن نا جانے کیوں مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں آپ کے پاس آ گئی۔ صدف آپ لوگوں سے ہر وقت فرار کیوں چاہتی ہیں۔ اس وقت بھی آپ مجھ سے دور بھاگنے کا راستہ تلاش کر رہی ہیں۔ لیکن ایسا میں ہونے نہیں دوں گی۔'' علیزے نے صدف کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے خود ہی بات شروع کی اور آخری بات صدف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہی، جو اس وقت حیرت سے اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔

''نن نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے''۔ صدف نے گھبراتے ہوئے کہا۔ اس کو اس وقت نا جانے کیوں علیزے سے خوف آ رہا تھا۔

''اگر مجھے غلط فہمی ہے تو آپ کا لہجہ آپ کی بات کا ساتھ کیوں نہیں دے رہا؟ آپ کیوں میری بات سے اتنا گھبراتی ہیں؟ دیکھیں صدف میں نہیں جانتی کہ مجھے کون سی کشش آپ کے پاس لے کر آئی ہے لیکن آپ کا ایک نئی راہ دیکھانے کے لیے مجھے چنا گیا ہے۔ آپ مجھ پر اعتبار کر کے ایک دفعہ مجھے اپنے دل کا غبار سنا کر تو دیکھیں کیا پتہ میں آپ کی مدد کر دوں''۔ علیزے نے بہت دھیمے لہجے میں صدف کو سمجھانے کی کوشش کی۔

صدف چند لمحے تو علیزے کا چہرہ تکتی رہی۔ صدف لوگوں پر کبھی اعتبار نہیں کرتی تھی کیونکہ لوگوں نے ہمیشہ اس کے اعتبار کا غلط فائدہ اٹھایا۔ لیکن اس کو علیزے پر اعتبار کرنے میں چند سیکنڈز لگے تھے کیونکہ اس کو علیزے سے مثبت شعاعیں مل رہی تھی۔ ''علیزے مجھے لوگوں سے نہیں ان کی طنزیہ نظروں سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ کبھی ان کے ہمدردی بھرے جملوں سے مجھے اپنا آپ پستیوں میں گرتا محسوس ہوتا ہے میں اسی وجہ سے لوگوں سے دور بھاگتی ہوں'' صدف نے ہمت کر کے بولنا شروع کیا۔

''صدف آپ لوگوں کو اگنور کر دیا کریں جب آپ کی فیملی آپ کے ساتھ ہے تو آپ لوگوں کی پرواہ کیوں کرتی ہیں'' علیزے نے

صدف سے کہا ''فیملی!!!'' صدف استہزائیہ ہنسی۔

''علیزے آپ کو کس نے کہا کہ میری فیملی میرے ساتھ ہے مجھے یہی تو دکھ ہے کہ وہ میری نہیں بلکہ دنیا والوں کی پرواہ کرتے ہیں۔علیزے! بچپن سے آج تک انہوں نے میرا کبھی ساتھ نہیں دیا۔ جب لوگ مجھے میرے بہن بھائیوں سے کمپیئر کرتے تھے تو وہ میرے دل میں یہ ہوتا تھا کہ کوئی بات نہیں میرے ماما بابا تو میرے ساتھ ہیں۔علیزے! بچپن میں مجھ میں بہت اعتماد تھا لیکن وہ بھی وقت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ مجھے اپنا آپ چھ سال کی عمر میں پہلی دفعہ برا لگا جب میری شکل وصورت کو میرے بہن بھائی کی شکل وصورت سے کمپیئر کیا گیا۔ یہ داغ میرے بس میں تو نہیں تھا صدف سانس لینے کے لیے رکی۔اس کے بعد تو یہ معمول بن گیا لوگوں کا۔ مجھے اس دن خود سے نفرت ہو گئی تھی۔علیزے جب میرے بابا نے مجھے میرے بہن بھائیوں سے کمپیئر کیا اور جب ان کی نظروں میں میرے لیے عجیب سا طنز نظر آیا۔ میرے بہن بھائی مجھ سے دور بھاگتے تھے۔ان کو مجھ سے بات کرنا پسند نہیں تھا۔

علیزے اس کے بعد لوگوں کو میرے جینے سے بھی مسئلہ تھا۔میرے رشتے داروں کے ساتھ ساتھ میرے والدین نے میری تعلیمی ریکارد کو بھی میرے بہن بھائیوں کے تعلیمی ریکارڈ سے کمپیئر کرنا شروع کر دیا۔شائد ان سب کو لگتا تھا کہ سب کا دماغ ایک ہی طرح کام کرتا ہے۔علیزے مجھے نفرت تھی سائنس سے لیکن صرف اپنے والدین کی خوشی کے لیے میں نے سائنس سلیکٹ کی تھی۔لیکن یہ کوشش بے کار گئی کیونکہ بابا نے میڈیکل کے تھرڈ ایئر میں پڑھائی چھڑوا دی۔ یہ کہہ کر کہ میں ناکارہ ہوں کچھ نہیں کر سکتی۔ میرے اعتماد کی اس وقت دھجیاں اڑ گئی تھیں کیونکہ میں دن رات ایک کر کے پڑھ رہی تھی ناپسندیدہ فیلڈ ہونے کے باوجود مین اے گریڈ لا رہی تھی میری غلطی کیا تھی صرف یہ کہ میں آپا اور بھیا کی طرح اس فیلڈ میں اے+ گریڈ نہیں لے کر آ رہی تھی۔صدف نے ایک نظر علیزے کو دیکھا پھر دوبارہ بات شروع کی۔

علیزے میں اپنے گھر میں آپا اور بھیا کی طرح بحث نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے ہمیشہ یہ کہہ کر چپ کرا دیا جاتا کہ لوگ کیا کہیں گے میں نے باہر آنا جانا بند کر دیا کیونکہ مجھے ڈر لگنے لگا تھا۔۔۔۔''

''پھر علیزے نے صدف سے وہ سوال کر ہی دیا جو اس کو کافی دیر سے پریشان کر رہا تھا۔'' پھر صدف آپ یہاں کیسے پہنچی۔۔۔۔''

''یہ بھیا کی مہربانی ہے۔ میں خود کو ناکارہ تسلیم کر چکی تھی۔ میں گھر میں کمرے میں بند رہ رہ کر پاگل ہو چکی تھی۔ پھر ایک دن بھیا نے مجھ سے آ کر کہا کے انہوں نے بابا سے میرے آرٹس کالج میں ایڈمشن کی بات کر لی ہے۔ میں خوش ہو گئی کہ چلو کسی کو تو میری خوشی کا خیال آیا لیکن یہ بھی ان سب کا مجھ سے جان چھڑوانے کا ایک طریقہ تھا۔

انہوں نے مجھے ہاسٹل میں یہ کہہ کر بھیج دیا کہ اس فیلڈ میں دیر سویر ہو جاتی ہے تو راتوں میں کہاں خوار ہوتی رہو گی۔ وہ دن میری ان سے ملاقات کا آخری دن تھا۔ مجھے ایک خاطر خواہ رقم تو بنک میں آتی ہے مجھے ان لوگوں کا کچھ پتا نہیں۔

صدف نے روتے ہوئے علیزے کی طرف دیکھا۔

''صدف آپ لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا شروع کرو۔اپنا اعتماد واپس لے کر آؤ۔آپ ناکارہ بالکل نہیں ہو۔اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کوئی چیز ناکارہ نہیں ہوتی۔خود کو اس خود ترسی کے خول سے نکالو۔خود کو پہچانو۔ ہر انسان پرفیکٹ نہیں ہوتا ہے۔آپ کو اپنے والدین سے بدگمان

ہونے سے پہلے ان سے بات کرنی چاہیئے تھی۔آپ کی بہت سی مشکلات اس سے دور ہو جاتیں۔صدف میری ایک بات یاد رکھنا ایک دن آپ اپنے والدین سے ملوگی ضرور اور پلیز میری آپ سے یہ التجا ہے ان کے آپ سے معافی مانگنے سے پہلے آپ انہیں معاف کر دینا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔آپ کے والدین دنیا کی باتوں میں آ کر گمراہ ہو گئے ہوں گے تو جب بھی وہ لوٹیں تو آپ ان کی طرف دوڑ کے چلی جانا''۔

علیزے یہ کہہ کر وہاں سے چل دی کسی اور صدف کو ایک راہ دیکھانے۔

''آپ لوگ حیران نہ ہوں یہ میری ہی کہانی ہے اور میں جانتی ہوں آپ لوگ کیا سوچ رہے ہوں گے کیا میرے والدین دوبارہ لوٹ آئے تھے؟ کیسے؟ یہ مجھے بتانا اتنا اہم نہیں لگتا۔لیکن میں آپ سب والدین سے التماس کروں گی کہ بچوں کو ان کی زندگی جینے دیں۔ان کو دوسروں سے کمپیئر نہ کریں ہر بچے میں کوئی نہ کوئی صلاحیت ضرور ہوتی ہے۔لہذا اس کو ناکارہ کہہ کر اس کا حوصلہ پست نہ کریں اور بچوں سے کہوں گی کہ بیٹے ہر انسان سے غلطی ہو جاتی ہے اگر والدین کچھ غلط کر دیں یا بول دیں تو ان سے احترام کے ساتھ بات کو کلیئر کریں کیا پتہ آپ کو بات کا مفہوم کچھ لگے اور ان کو کچھ اور لگتا ہو۔اگر کوئی غلط فیصلہ کرنے لگیں تو ان کی اصلاح کریں۔

بہتری کی دعا

آمنہ طارق

وہ خوش تھی بہت خوش انجانے میں بھی اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے تھے اور زبان پہ تو ہر وقت الحمداللہ کا ورد جاری ہی رہتا تھا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے اتنی خوشیاں بھی دے سکتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ اس کی ساری دعاؤں پر کن فیکون کہہ سکتا ہے۔ کبھی کبھار تو اسے یہی دھڑکا لگا رہتا کہ یہ سب ایک خواب ہے مگر پھر اپنے دل کے سکون اور چہرے پر غیر معمولی مسکراہٹ اسے پھر رب کے حضور سجدہ شکر کرنے پر آمادہ کر دیتی۔

مگر کہتے ہیں کہ اللہ جب خوشیاں ساتھ دیتا ہے تو وہ اس کے صبر کا پھل ہوتا ہے اور وہ رب کی جانب سے دیے گئے امتحانات و آزمائشوں پر پورا اترا ہوتا ہے اور پھر دعائیں تو مقدر سے جیت جانے کا ہنر رکھتی ہیں۔ اسے ان خوشیوں کی قدر تھی کیونکہ ان سب کو پانے کے لیے اس نے مشکلات بھی سہی تھیں۔

حریم شاید ڈیڑھ یا دو برس کی تھی اسے اس کی خالہ زاد طلحہ کے ساتھ منسوب کر دیا گیا۔ طلحہ بھی اس وقت دس گیارہ برس کا تھا۔ بڑوں نے آپس میں ہی بات کی اور خالہ شازیہ نے اپنی بہن سے حریم مانگ لی۔ وقت گزرتا گیا، دونوں بچے جوان ہوتے رہے مگر اس آپسی رشتے سے بے خبر تھے۔ طلحہ ذرا کم گو سا لیے دیے رہنے والا لڑکا تھا جبکہ حریم ایسی نہ تھی مگر اس سے منسوب تھی تو حریم کی پرورش اور تربیت اسی طرح کی گئی جس طرح طلحہ کو چیزیں پسند تھیں۔ چھوٹی سی عمر سے ہی اس پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ بیچاری اپنی ذاتی پسند و ناپسند میں وہ چیزیں اپنائے جو طلحہ کی پسند ہیں کہنے کو حریم کے والدین تعلیم یافتہ اور باشعور تھے مگر خدا جانے انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ معصوم حریم کے بچپن کو زنجیروں میں جکڑ رہے ہیں۔ تیرہ برس کی عمر میں حریم کے ذہن میں آہستہ آہستہ یہ بات ڈالنی شروع کر دی گئی کہ خالہ کے گھر شادی ہونی ہے وہی گھر ہے تمہارا اور اس طرح کی کئی اور خرافات۔ تیرہ سال کے معصوم ذہن کو کیا پتہ ہوتا ہے، اس کو تو جس طرح ڈھالو گے وہ ڈھل جائے گا۔ ادھر طلحہ بھی ساری صورتحال سے آہستہ آہستہ آگاہ ہو رہا تھا مگر نجانے اس کے ذہن میں کیا کچھ سمایا ہوا تھا کہ اس نے بھولے سے کبھی حریم سے تو کیا، اپنے والدین سے بھی کبھی اپنی پسند نہ پسند کا اظہار نہیں کیا۔ شروع سے ہی حریم کے ذہن میں جو ڈالا گیا وہ اس کے مطابق چلتی رہی۔ پانچ چھ سال اسی طرح گزر گئے۔ حریم اب سترہ سال کی ہو چکی تھی اور ہر والدین خصوصاً لڑکی والے کے ذہن میں بچی کی شادی کا گھڑیال بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ حریم چاہے بچپن سے منسوب تھی مگر اس کے والدین کو نہ چاہتے ہوئے بھی خیال ستانے لگ گیا کیونکہ اتنے سالوں میں خالہ اور طلحہ نے کبھی ویسا سلوک پیار اور رویہ نہیں رکھا جس سے انہیں دلی تسلی ملتی رہے کہ حریم اسی گھر میں جائے گی پچھلے کئی سال حریم نے طلحہ کے خیالات میں گزار دیے کہ اس کے کچے ذہن میں بچپن سے ایک ہی نام گونج و گردش کر رہا تھا۔ مگر اب جیسے جیسے وہ بڑی اور سمجھدار ہوتی جا رہی تھی اس کو، اس سب سے کوفت ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وہ اور اس کے والدین خالہ اور ان کی فیملی کو خوش رکھنے کے لیے کتنے جتن کرتے، دعوتوں پر بلاتے، تحفے تحائف دیتے مگر وہ دوسری جانب سے کوئی خاطر خواہ ردعمل بالکل نہ آتا۔ حریم اپنے والدین کی وجہ

سے چپ تھی، حریم کی والدہ اپنی بہن کے منہ کو چپ تھیں اور اس کے والد کا یہ خیال تھا کہ لڑکی والوں کو اپنے منہ سے شادی کی بات نہیں کرنی چاہیے۔

اسی طرح ایک دو سال اور گزر گئے اور طلحہ نے پڑھائی کے سلسلے میں امریکہ جانے کا سوچا۔ حریم کے والدین یہ چاہتے تھے کہ طلحہ وہاں جانے سے پہلے کوئی رسم وغیرہ یا کوئی ٹھوس اعلان ہو جائے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ حریم کی امّی نے بھی کئی بار دبے لفظوں میں پوچھنے اور جاننے کا عندیہ دیا مگر نہ جانے کیوں خالہ اپنی بہن سے اتنی پرائی ہو گئی تھیں کہ کبھی صحیح جواب نہ دیتیں، ہوں ہاں میں ٹال دیتیں یا بس یہ کہہ دیتی کہ فکر نہ کرو۔

حریم اب اس سب ڈرامے سے شدید اکتا گئی تھی۔ جہاں سے انسان کو محبت، چاہت اور پسندیدگی کا اظہار نہ ملے تو اس کو یوں لگتا ہے کہ وہ کسی دیوار سے مسلسل سر ٹکرا رہا ہے اور وہ دیوار ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی، الٹا وہ ہی اپنے آپ کو زخمی کر رہا ہے۔

خالہ چاہے سگی تھیں مگر ان کے سامنے جان بوجھ کر زیادہ سلیقہ مند، مؤدب بننا، ضرورت سے زیادہ ان کی خدمت کرنا اسے منافقت لگنے لگ گیا۔ اس کا دل اس سب سے اٹھ گیا۔ وہ والدین کے کہنے پر سب کچھ دباؤ میں آ کر کرتی مگر اس کا دل خالی خالی سا ہو گیا تھا وہ زندہ لاش کی طرح گھسٹتی چلی جا رہی تھی۔ جب سب کچھ اس کے قابو سے باہر ہونا شروع ہو گیا تو اس نے اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ٹھانی۔ اس کو ہمیشہ سے یہ لگتا تھا کہ اللہ اس کی دعائیں نہیں سنتا حالانکہ اس نے دل سے اللہ سے مانگا ہی نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ سے یہی سوچتی تھی کہ مجھے تو دعا مانگنا آتا ہی نہیں ہے مگر اب چونکہ دل زخمی تھا اور کسی اور طرح سے وہ اپنا غم وغصہ نکال نہیں سکتی تھی تو ہو جائے نماز پر بیٹھ کر جو رونا شروع ہوتی تو ہچکیوں اور سسکیوں سے روتی۔ آہستہ آہستہ اس کو سمجھ آنے لگا کہ آنسو وہ خاموش دعائیں ہیں جو صرف اللہ سن سکتا ہے رفتہ رفتہ وہ اللہ کے بہت قریب ہو گئی رمضان کے آخری عشرے میں تہجد کی نمازیں پڑھیں اور لیلۃ القدر کی راتوں میں اللہ کے سامنے اپنے لیے بہتری مانگی۔

اس نے اپنا سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا کیونکہ وہ جانتی تھی اللہ کسی کو بھی اس کے صبر سے زیادہ آزمائشیں نہیں دیتا۔ اس کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اللہ اس کے آنسو، سسکیاں، اس کے والدین کی پریشانی اور دل ودماغ پر اذیت وبوجھ کو یوں رائیگاں جانے نہیں دے گا۔

اس نے اللہ تعالیٰ سے صرف اور صرف بہتری مانگی اور وہ کچھ بھی مانگ لیا جو وہ اپنے ہم سفر میں چاہتی تھی مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور بہتری کے ساتھ۔ آخر میں آ کر اس نے اپنے لیے بھی دعا مانگنا چھوڑ دی اور صرف اور صرف اپنے والدین پر دھرے بوجھ اور اذیت کے ہٹ جانے کی دعا مانگتی کیونکہ وہ جب بھی اپنی وجہ سے اپنے والدین کو پریشان دیکھتی، نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنا آپ بوجھ لگنے لگ جاتا جس سے اس کا دل کٹنے لگتا۔

اللہ نے جب مقررہ وقت لکھا ہوتا ہے، سب کچھ اسی وقت ہی ہوتا ہے ایک دن ہمت کر کے حریم کی امّی نے اپنی بہن سے دوٹوک بات کی اور ان کی مرضی معلوم کی تو تب یہ عقدہ کھلا کہ طلحہ جب تک یہاں تھا اس نے والدین کے سامنے کچھ نہیں بولا اب وہ دو سال سے امریکہ میں ہے اور اس کا ویزا ختم ہونے والا ہے اور وہ پاکستان واپس نہیں آنا چاہتا اور وہیں جلد سے جلد سیٹل ہونا چاہتا ہے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ وہاں کی کسی لڑکی سے شادی کر لے۔

سب کو افسوس تو بہت ہوا مگر حریم کو یوں لگا کہ واقعی اللہ نے اس کی دعائیں سن لی ہیں۔ اس نے صرف اللہ سے بہتری مانگی تھی اور یہاں اس کا دل کئی عرصے سے راضی بھی نہ تھا۔ جہاں اس کی اتنے سالوں سے عزت نفس مجروح ہو رہی تھی، اللہ نے اسے اس کی آزمائش سے نکال دیا۔

اب حریم کے والدین اس بات پر پریشان رہنے لگے کہ اتنے سال انہوں نے کئی اچھے رشتے ٹھکرائے کیونکہ حریم اپنوں میں ہی بچپن سے منسوب تھی۔ اب ان کو یہ فکر ستانے لگی کہ حریم کی عمر بڑھ رہی ہے اور کوئی خاطر خواہ رشتہ نہیں ہے۔ ایک بار پھر حریم نے اللہ سے لو باندھ لی اور پھر اپنے لیے بہتری کی دعائیں مانگنے لگ گئی، اپنے بند راستے اور رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے التجا کرنے لگی اور اللہ سے بہتری کے ساتھ، وہ سب کچھ مانگا جو اس کے اپنے ہم سفر میں چاہیے تھا۔ یہ سوچتے ہوئے بھی کہ جو ساری خوبیاں وہ اپنے ہم سفر میں مانگ رہی ہے، کیا اللہ نے ایسا انسان پیدا کیا ہوگا جو ان سب خوبیوں کا حامل ہو اور اللہ کے کام تو اللہ ہی جانتا ہے وہ بس انسان کو آزماتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ اس کا بندہ آزمائشوں پر کتنا اتر پاتا ہے اور اپنے رب کو مصیبت اور آزمائشوں کے وقت میں یاد رکھتا ہے کہ نہیں جب سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیا تو بہت اچھے نتائج ملتے ہیں۔

قریبی رشتہ داروں کے توسط سے حریم کا رشتہ آیا۔ حماد با اخلاق، سلجھا ہوا، سمجھدار انسان تھا جس کے والد اس کے بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے اور وہ اور اس کی امّی اکیلے رہتے ہیں۔ ایسا انسان جس کے سر پر کوئی آسرا نہ ہو، رشتے دار بھی بہت برا سلوک کریں اور پھر وہ بندہ اپنی خودداری اور صلاحیتوں کے بل بوتے پر کچھ بن جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی دین اور ماں کی دعا ہوتی ہے۔ حریم کا رشتہ حماد سے جڑ گیا اور جلد ہی ان کی شادی ہو جائے گی۔ حریم اب اگر پیچھے مڑ کر دیکھے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے کہ اس نے صرف بہتری مانگی اور اللہ نے اسے وہ سب عطا کر دیا جس کی وہ خواہش مند تھی۔ اس کی ساری دعائیں قبول کر لیں اللہ پر یقین و ایمان انسان کو عرش پر لے جاتا ہے اور اس کی زندگی کو آسان بنا دیتا ہے۔

حسن کی پجاری

آمنہ طارق

''مجھے لپ اسٹک کا یہ شیڈ بالکل پسند نہیں کیونکہ یہ لگانے سے میرا رنگ تھوڑا گندمی لگتا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ میرے رنگ پر کوئی آنچ آئے''۔

منال نے اپنی دوست سے کہا''میں صرف میک (MAC) کی لپ اسٹکس استعمال کرتی ہوں۔''

منال مشہور بزنس ٹائیکون سیٹھ حشمت نواز کی اکلوتی اولاد تھی۔ان کی چھ کنال کی کوٹھی ڈیفنس میں واقع تھی۔امیر کبیر اور اکلوتی ہونے کے ساتھ بلا کی خوبصورت تھی۔اس کے چاند سے چہرے پر بڑی بڑی آنکھیں،ستواں ناک اور باریک ہونٹ اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیتے تھے۔گھنٹوں وہ پارلر میں اپنے آپ کو سنوارتی رہتی اور پھر جم جا کر ورزش میں بہت سا وقت لگاتی تا کہ سلم سمارٹ لگ سکے۔۔۔۔۔وہ بہت برانڈ کانشیئس (Brand Concious) تھی۔ اپنے میک اپ اور ڈریسنگ کے معاملے میں وہ بہت جنونی تھی۔

ماشاءاللہ اب وہ بیسویں سال میں تھی اور سب والدین کی طرح اس کے ماں باپ کو بھی رشتوں کی فکر ہو رہی تھی۔

ایک دن وہ مال میں شاپنگ کر رہی تھی کہ بے دھیانی میں سکی سے ٹکر ہوگئی۔۔۔۔۔اس نے اوپر اٹھ کر کچھ بولنا چاہا مگر اپنے سامنے حسن یوسف کی جیتی جاگتی مثال دیکھ کر ششدر رہ گئی۔۔۔۔وہ تو گزر گیا مگر یہ ہر وقت اس کے تخیل میں رہنے لگی تقریباً دو ہفتے بعد اس کے ڈیڈی نے بزنس میں کامیابی پر قریبی رشتہ داروں اور دوست احباب کو دعوت پر مدعو کیا۔اپنے محل کو دلہن کی طرح سجایا اور محل کی شہزادی بھی اس دن بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔اس نے ایچ۔ایس۔وائے کی میکسی پہنی ہوئی تھی اور بالوں میں خوبصورتی سے موتیوں کو پرویا ہوا تھا۔ اس کی امّی اس کی بلائیں لیتی نہ تھک رہی تھیں۔۔۔۔اس کے ڈیڈی نے اس کو اپنے تمام دوستوں سے ملوایا۔۔۔وہاں اس کی نظر اسی لڑکے پر پڑی جس سے اس کی ٹکر مال میں ہوئی تھی۔۔۔۔۔بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس کے ڈیڈی کے دوست کا سب سے چھوٹا بیٹا ہے جو ابھی ایک ماہ پہلے امریکہ سے پڑھ کر آیا ہے۔۔۔۔کچھ دنوں کے بعد اس کے ابو نے ان کو کھانے پر بلایا تو منال اور شہریار کی خوب دوستی ہوگئی۔۔۔۔ایک ماہ بعد منال کے لیے اس کی خالہ کے بیٹا کا رشتہ آیا۔تھے تو وہ بھی بہت امیر کبیر اور سب سے بڑھ کر اس کی خالہ اس پر جان چھڑکتی تھیں مگر ان کا بیٹا اتنا خوبصورت نہیں تھا۔بس معمولی شکل وصورت تھی مگر سیرت میں باکمال تھا۔۔۔۔۔لیکن منال ہر کسی کا مقابلہ شہریار کی خوبصورتی سے کرتی تھی۔وہ حسن کی پجاری تھی۔اس کی نظروں میں احمر کے اچھے اخلاق کی کوئی وقعت نہیں تھی،اس نے اس رشتے سے منع کر دیا اور ہر وقت شہریار کے ساتھ گھومتی رہتی تھی۔۔۔۔۔۔اس نے شہریار سے دبے الفاظ میں شادی کی بات کا کہا مگر شہریار نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ ابھی شادی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا لیکن بعد میں شہریار نے سوچا کہ اتنے امیر گھر کی لڑکی خود آ کر آپ کی جھولی میں گر رہی ہے اور آپ بات ٹال رہے ہو۔موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے شادی کی بات چلائی اور یوں پلک جھپکتے ہی منال نواز سے

منال شہر یار بن گئی۔۔۔۔

اس کے والدین نے دل کھول کر اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی پر پیسہ خرچ کیا۔۔۔ ہر چیز برانڈڈ، مہنگی ترین اور امپورٹڈ۔۔۔اس کے جہیز میں پچاس مہنگے ترین سوٹ تھے۔ بائیس انڈین ساڑھیاں اور ساٹھ کے قریب ڈیزائنر سوٹ تھے، سارے سیٹ نہایت عمدہ کام کے اور خالص سونے کے تھے۔۔۔۔کراکری ساری امپورٹڈ تھی۔۔۔ بری بہت خوبصورت تھی۔اس میں کافی مہنگے کامدار سوٹ اور انڈین جیولری کی بھرمار تھی۔شادی کے پہلے تین ماہ تو ہنستے کھیلتے گزر گئے مگر آہستہ آہستہ منال کو احساس ہونا شروع ہوا کہ شہر یار کا اخلاق بالکل اچھا نہیں ہے وہ اپنی ماں سے بھی احترام سے بات نہیں کرتا تھا اور نوکروں کے ساتھ بہت برا سلوک تھا۔۔۔اور تو اور وہ جو خود بیوی ہے اس کی اس کے ساتھ بھی سلوک اچھا نہیں تھا۔۔۔۔اس کو وہ مقام نہیں دیتا تھا جو ایک بیوی کا ہوتا ہے۔۔۔۔اپنی ضرورت کے علاوہ اس سے بات نہیں کرتا تھا۔منال ویسے ہی لاڈوں میں پلی تھی وہ تو ہمیشہ سے سب کی توجہ کا مرکز رہی تھی۔۔۔۔ یہاں اس کی وقعت نہ ہونے کے برابر تھی۔۔۔وہ لڑکی جس کو ڈیفنس کا ایک مشہور سے مشہور ریسٹورنٹ یاد تھا، جس کو پتا تھا کہ کون سا فیشن ان ہے یا آؤٹ، ہنسنا کھیلنا اس کا معمول تھا۔۔۔۔ یہاں اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی رہتی تھی۔۔۔کام کے لیے نوکر چاکر گھر میں موجود تھے شہر یار اور سسر صاحب آفس کے لیے نکل جاتے اور رات گئے لوٹتے۔ساس صاحبہ اپنے فلاحی کاموں میں مصروف رہتی اور نند صاحبہ کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔۔۔وہ صبح کی نکلی شام کو لوٹتی اور پھر اپنے کام میں مصروف رہتی۔۔۔منال کی شادی کو آٹھ ماہ ہو چکے تھے اور وہ ذہنی طور پر گم صم رہنے لگی تھی۔۔۔۔ ہر دوسرے دن شہر یار کے کمرے سے لڑنے اور چیزیں ٹوٹنے کی آوازیں آتی۔۔۔۔منال کو یہ شکوہ تھا کہ شہر یار اس پر توجہ نہیں دیتا اور شہر یار کو یہ بات غصہ دلاتی تھی کہ منال کی ضروریات زندگی پوری ہو رہی ہیں اور اس کو کیا چاہیے؟؟۔۔۔۔۔دونوں بہت خوبصورت تھے مگر اخلاق سے عاری تھے۔۔۔۔۔روز کی لڑائیوں اور رونے دھونے سے تنگ آ کر شہر یار نے منال کو طلاق دے دی۔۔۔۔۔محض نو ماہ کے عرصے کے بعد اپنے بابا کی لاڈلی، کروڑوں کی جائیداد کی مالک اور حسن کا پیکر منال طلاق لے کر اپنے ماں باپ کے گھر آ گئی۔۔۔۔۔ماں باپ بہت پریشان تھے۔۔۔۔وہ منال جو ہر وقت اپنی سکن کو چمکانے کے لیے نت نئے ٹوٹکے آزماتی تھی، اب اس کی وہی جلد جھریوں کی زد میں ہے۔۔۔۔ پہلے جو اپنے آپ سے زیادہ اپنے بالوں کا خیال رکھتی تھی اب وہی بال کئی دن سے نہیں سنوارے گئے تھے۔عدت پوری ہونے کے بعد بہت رشتے آئے مگر منال نے سب سے انکار کر دیا۔۔۔۔

اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے اس کے ڈیڈی کو ملال ہوتا اور وہ یہ سوچتے کہ ان کی گڑیا جس کے دم سے گھر میں رونق تھی، جس کے دم سے در و دیوار چہکتے تھے آج وہی گھر بے رونق ہو گیا ہے۔

آخر چھ ماہ کے عرصے کے بعد انہی خالہ نے دوبارہ (قسمت کو) اپنی سے کوشش کی اور اپنے بیٹے احمر کے لیے، دوبارہ رشتہ مانگا۔۔۔۔منال نے بہت سوچ بچار کے بعد دوبارہ قسمت کو آزمانے کے لیے اور ڈیڈی کے بے پناہ اصرار پر آخر ہاں کر ہی دی۔اس دفعہ شادی منال کے اصرار پر سادگی سے ہوئی۔۔۔۔ یہاں آ کر اس کو بہت عزت ملی اور وہ احساس ملا جس کی وہ خواہش مند تھی۔اس کو وہ مقام ملا جو ایک لڑکی کا حق ہوتا ہے اور وہ اس کو شہر یار کے گھر حاصل نہ تھا۔۔۔۔ایک سال کے عرصے میں اس کے گھر جڑواں بچوں کی پیدائش

ہوئی جس پر احمر نے اس کو گھر تحفے میں دیا۔

وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہتی تھی کہ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا اچھا شوہر اور اتنا اچھا خاندان دیا جہاں وہ عزت کی زندگی بسر کر رہی ہے اور اپنی غلطی پر نادم تھی کہ یہ پہلے جذبات کے زیر اثر اس نے غلط فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے تب جانا کہ خوبصورتی کی اپنی الگ اہمیت ہے ظاہری حسن اتنا ضروری نہیں جتنا کہ باطنی حسن خوبصورت ہونا چاہیے۔

ڈھائی ماہ کے لاک ڈاؤن کے بعد پہلا سفر

آمنہ طارق

تکنیک: خط

میری پیاری امی جان! السلام علیکم

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی اور باقی گھر والے بھی ٹھیک ہوں گے۔ اسلام آباد کا موسم کیسا ہے؟ یہاں لاہور میں اب تھوڑی سی گرمی شروع ہوئی ہے ورنہ کچھ دنوں پہلے جون کے حساب سے موسم کافی خوشگوار تھا۔ یہ میرا لاہور میں گرمیوں کا پہلا تجربہ ہے ورنہ اس سے پہلے میں ہمیشہ مئی میں یونیورسٹی کے امتحانات سے فارغ ہو کر واپس آپ سب کے پاس اسلام آباد آ جاتی تھی اور گرمیوں کی چھٹیاں اسلام آباد کے خوشگوار موسم میں آپ سب کے ساتھ گزارتی تھی۔۔۔ مگر اب تو مارچ میں کرونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن ہو گیا ہے، ہمیں فوراً ہی ہاسٹل خالی کرنا پڑا۔ کچھ دنوں کے لیے میں چچا کے گھر آ گئی اس خیال سے کہ جیسے ہی لاک ڈاؤن ختم ہو گا تو فوراً ہی اسلام آباد پہنچوں گی کہنے کو تو چچا جان کے گھر سب آسائشیں میسر ہیں، وہ دونوں میرا بہت خیال رکھ رہے ہیں مگر آپ لوگوں کی کمی کوئی پوری نہیں کر سکتا۔

اسلام آباد میں کیسا لاک ڈاؤن ہے؟ ایس و پیز کی پابندی ہو رہی ہے یا نہیں؟ چچا جان اب بحریہ ٹاؤن میں رہائش پذیر ہیں۔ اچھی سوسائٹی ہے۔ ساری سہولیات اندر ہی دستیاب ہیں۔ چچا جان ہی ضرورت کے تحت باہر جاتے ہیں اور کام کی ہر چیز لے کر فوراً واپس آ جاتے ہیں میں اور چچی جان اس دو ماہ کے عرصے میں بالکل باہر نہیں نکلے جس کی وجہ سے مجھے عجیب سی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ ہاسٹل میں میری روم میٹ رابعہ بھی اپنی خالہ کے ہاں ٹھہری ہوئی ہے اور وہ بھی اپنے گھر والوں کو بہت یاد کر رہی ہے۔ میری اور رابعہ کی مشترکہ دوستیں نور، علیشہ اور علینہ ہماری اس حالت سے بخوبی واقف تھیں۔ انہوں نے ہمارا دل بہلانے کے لیے ایک بہت اچھا قدم اٹھایا۔ انہی کی بدولت میں اپنے اس خول اور کیفیت سے باہر آئی جو مجھ پر کافی دنوں سے طاری تھی اور مجھے پریشان کر رہی تھی اب عید کے تیسرے دن میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں اور انہی کی بدولت اچھا محسوس کر رہی ہوں۔

ہوا کچھ یوں کے عید سے تین چار دن پہلے مجھے علینہ کا فون آیا اور اس نے عید کے دن اپنے فارم ہاؤس پر آنے کی دعوت دی۔ اس کا فارم ہاؤس چونکہ آبادی سے ہٹ کر کھلے اور پرفضا مقام پر ہے اور اکیلے سب کا پہنچنا بہت مشکل تھا تو طے یہ ہوا کہ کسی ایک کے گھر اکٹھا ہوا جائے اور پھر ہم پانچوں سہیلیاں مل کر روانہ ہوں۔ نور کا گھر جو ہر ٹاؤن میں واقع ہے جو تقریباً اب لاہور کے وسط میں ہے اور سب کے لیے ہر جگہ سے پہنچنا آسان بھی تھا، تو فیصلہ ہوا کہ سب نور کے گھر جائیں گے بلکہ نور کی امّی جان نے سب کو عید کی صبح اپنے ہاں ناشتہ کرنے کی دعوت دی۔ ہم سب بے چینی سے عید کے دن کا انتظار کرنے لگے۔

خدا خدا کر کے عید کا دن آ پہنچا۔ چچا جان نے صبح دس بجے کے قریب مجھے نور کے گھر پہنچا دیا۔ علیشہ اور علینہ پہلے سے وہاں موجود

تھیں۔ان سے مل کر بہت اچھا لگا۔رابعہ بھی تھوڑی دیر بعد پہنچ گئی وہ تو سب سے مل کر رو پڑی جس سے ہم سب بھی آبدیدہ ہو گئے۔نور کی امّی جان نے ناشتے کا خوبصورت اور لذیز اہتمام کیا ہوا تھا۔اتنا مزیدار دیسی ناشتہ دیکھ کر مجھے آپ کی یاد آ گئی کہ اگر عید کے دن میں آپ کے پاس ہوتی تو آپ بھی مجھے اتنا ہی مزیدار ناشتہ بنا کر دیتیں۔ہم سب نے سیر ہو کر ناشتہ کیا۔

قریباً بارہ بجے علینہ کے ڈرائیور انکل نور کے گھر ہمیں لینے آ گئے۔ہم نے عید کے کپڑے تبدیل کر کے سادہ کپڑے پہن لیے اور ماسک اور گلوز بھی پہن لیے۔علینہ کی ماشاءاللہ بڑی گاڑی میں ہم با آسانی بیٹھ گئے اور یوں ہم پانچوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔نور کے گھر سے علینہ کے فارم کی مسافت قریباً ایک گھنٹے کی ہے۔

امّی! جب ہم بھی چچا جان کے پاس عید کرنے کے لیے اسلام آباد سے لاہور آیا کرتے تھے تو لاہور کی رونقیں دیکھ کر کتنا خوش ہوتے تھے۔لاہوری اپنی رونق سے زندہ دلان لاہور والی بات کو سچ ثابت کرتے تھے۔لیکن اس دفعہ امّی جب ہم علینہ کے فارم ہاؤس جا رہے تھے تو لاہور کی سڑکیں ایسی خاموش اور سنسان تھیں کہ دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ایسی ویران سڑکوں، مساجد اور پارکوں کو دیکھ کر دل کٹ رہا تھا۔کرونا وائرس کی وجہ سے سب گھر میں ڈر کر بیٹھے ہیں۔عید کے دنوں میں جو گہما گہمی اور ہلہ گلہ لاہور کی سڑکوں پر دیکھنے کو ملتا تھا، وہ اس سال نہیں تھ۔خالی خالی سی عید لگ رہی تھی۔ہم ہمیشہ اسلام آباد کی بے رونقی سے بیزار ہو کر لاہور عید کرنے آتے تھے تو عید کی رنگینیاں اور رونقیں دیکھ کر مزہ آتا تھا۔ہم ہمیشہ اندرون لاہور کی طرف جاتے تھے۔بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ، پرانی انارکلی اور فوڈ سٹریٹ کی رونقوں سے لطف اندوز ہوتے تھے مگر اس بار وہ رونق نہ تھی اور نہ آپ سب تو خالی لاہور دیکھ کر دل بھر آیا۔اس مرتبہ تو آپ لوگ بھی اسلام آباد میں عید گزار رہے ہیں۔اس خط کے جواب میں اپنی عید کا احوال ضرور لکھیے گا۔

ہاں تو میں آپ کو سفر کا حال بتا رہی تھی۔تو سفر کافی لمبا تھا اور سڑکوں پر بھی بے رونقی تھی۔تو علیشہ نے دل بہلانے کے لیے نصرت فتح علی خان صاحب کی قوالی لگا دی جس کو سن کر دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا، پھر ہم نے عابدہ پروین صاحبہ کے صوفیانہ کلام بھی سنے۔سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ایک گھنٹے کا سفر پینتالیس منٹ میں طے کر لیا۔

علینہ کے ابو نے پہلے سے ہی ہمارے لیے سارے انتظامات کر لیے تھے۔

اس کا فارم ہاؤس تین کنال پر محیط تھا جس پر ایک کنال کا خوبصورت گھر بنا ہوا تھا اور بغیر دو کنال پر دلکش باغ تھا۔وہاں پر انہوں نے سبزیاں بھی اگا رکھی ہیں اور کچھ مویشی بھی پال رکھے تھے۔ہم قریباً ایک بجے وہاں پہنچ چکے تھے کیونکہ صبح کے اٹھے ہوئے تھے اور تھوڑی تھکاوٹ بھی ہو گئی تھی تو گھنٹہ ڈیڑھ آرام کیا۔پھر اٹھے، ظہر کی نماز ادا کی اور عید کے کپڑے پہن کر دوبارہ تیار ہوئے تصاویر لیں اور خوب مزہ کیا۔اس خط کے ساتھ آپ کو تصاویر بھی بھجوائی ہیں۔

دوپہر کے کھانے میں ہمارے لیے باربی کیو کا شاندار انتظام تھا۔سب کچھ ہمارے سامنے تیار ہوا اور ہم اتنی دیر وہیں بیٹھ کر لڈو کھیلتے رہے۔سیخ کبابوں اور تکوں کی اشتہا انگیز خوشبو نے ہماری بھوک مزید بڑھا دی اور ہم نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔علینہ کے خانساماں کشمیری ہیں تو انہوں نے وہ ذائقے دار کھانا بنایا کہ لاجواب تھا۔شام کی چائے پر انہوں نے ہماری فرمائش کے مطابق سنیکس بنائے۔

خانساماں کی بیگم اور بیٹی وہیں فارم ہاؤس میں رہتی ہیں۔ دونوں بہت خوبصورت اور گھلنے ملنے والی ہیں۔ ان کے ساتھ بہت مزہ آیا۔ علینہ کے خانساماں پٹھان ہیں اور ڈرائیور پنجابی ہیں تو ان دونوں کی نوک جھونک سے بھی ہم محظوظ ہوتے رہے۔ اتنے دنوں کے بعد کھلی فضا میں اچھا وقت گزارا۔ شام کی چائے پر یونیورسٹی میں گزرا وقت یاد کیا اور جلد حالات سہی ہونے کی اجتماعی دعا بھی مانگی۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم سب فارم ہاؤس سے نکل آئے۔ اب سڑکوں پر ہلکا پھلکا رش تھا مگر عید والی بات نہ تھی۔ تقریباً آٹھ سوا آٹھ کے قریب ہم نور کے گھر پہنچ گئے۔ پھر میں نے چچا جان کو اطلاع کر دی کے میں واپس آ گئی ہوں۔

پندرہ منٹ بعد چچا جان مجھے لینے آ گئے۔ میں نے اپنی ساری دوستوں کو خدا حافظ کہا، علینہ اور نور کا خصوصی شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنی دوستوں کا خیال کیا اور گھر والوں کے بغیر عید منانے کے غم کو مزید بڑھنے نہ دیا۔ نور کی امّی نے مجھے عیدی بھی دی۔ راستے میں چچا جان نے میرے بے حد منع کرنے کے باوجود مجھے آئس کریم بھی کھلائی اور گھر پہنچ کر مجھے عیدی بھی دی۔

اس عید پر میں نے آپ سب کو بہت یاد کیا مگر ساتھ ساتھ اللہ کا شکر بھی ادا کیا کہ اس نے اتنی خیال رکھنے والی دوستیں دی۔ علینہ کی بدولت ایک اچھا سفر کیا۔ نور کی اتنی محبت کرنے والی امّی سے ملی۔ چچا جان اور چچی جان کی تنہائی کو تھوڑا کم کیا۔

یہ عید کا سفر مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ آپ ضرور اس خط کے جواب میں اپنی عید کا حال بتائیے گا اور تصاویر بھی ارسال کیجیے گا۔ اللہ سے دعا کیجیے گا کہ جلد سے جلد ہم اس وبا پر قابو پالیں اور معمول کی زندگی پر واپس آئیں۔

والسلام

آپ کی بیٹی

آمنہ طارق

دوستی

ابیحہ یوسف

فون کی گھنٹی بجی اور میں نے بیدار ہوتے ساتھ ہی آدھ کھلی آنکھوں سے لاریب کا میسج پڑھا میسج میں میرے لیے ایک پیغام تھا کہ میں نے حال ہی میں جو نیا موبائل فون خریدا ہے اس کو لے کر کالج آؤں اور ساتھ ہی ساتھ موبائل فون کی ہر اشیا یہاں تک کہ اس کا ڈبا تک لے کر کالج آؤں۔ مجھے اس بات پر بہت حیرانی ہوئی، میں نے لاریب سے پوچھا اسے میرا نیا موبائل اور اس کی ہر چیز کیوں درکار ہے تو اس نے مجھے یہ جواب دے کر تسلی دینا چاہی کے دراصل اس کو یہ ماڈل بہت پسند آیا ہے اور اس کی بہن کو نئے فون کی ضرورت ہے اسی لیے وہ میرا فون دیکھنا چاہتی ہے اور میرا فون دیکھ کر تسلی کرنا چاہتی ہے۔ لاریب کی دوستی اور محبت کی پٹی جو میری آنکھوں پر بندھی تھی اس نے مجھے اس کے اس مطالبے کے پیچھے چھپی مکاری اور چالاکی دیکھنے نہ دی۔ میں بے وقوف اپنا نیا فون لے کر جو میں نے چند دن قبل کمیٹیاں بھر بھر کر خریدا تھا اپنے ہمراہ کالج لے گئی۔

اسی دن میرا اور لاریب کا اردو کا امتحان تھا۔ جس کے لیے دو گھنٹے کا وقت مقرر تھا۔ ابھی امتحان شروع ہونے میں قریباً دس منٹ باقی تھے۔ جیسے ہی میں کمرہ امتحان میں جانے لگی، میں نے پہلے فوراً اپنا موبائل اپنے بیگ میں ڈالا اور میرے اور لاریب کے مشترکہ لاکر میں رکھ دیا جس کی چابی ہم دونوں کے پاس تھی۔ اس کے بعد میں کمرہ امتحان میں داخل ہوگئی۔ پرچہ میرے سامنے آیا اور میں اسے حل کرنے لگ پڑی پر اس سارے وقت میں میرا دل عجیب طرح گھبرا رہا تھا۔ میں نے یہی سوچ کر نظر انداز کیا کہ شاید امتحان کی وجہ سے ایسا ہے۔ لاریب جو کہ میری آگے والی نشست پر بیٹھی تھی مجھ سے پہلے ہی پرچہ ختم ہو کر کے کمرہ امتحان سے چلی گئی حالانکہ لاریب اور میں ہمیشہ ایک ساتھ کمرہ امتحان سے نکلتے تھے۔ میں جیسے ہی باہر آئی لاریب وہاں موجود نہ تھی اور میرا بیگ دروازے کے ساتھ لاکر روم کے باہر رکھا تھا۔ میں نے اسی لمحے اپنے بیگ کو ٹٹولہ میرے بیگ میں میرے موبائل سمیت اس کی کسی بھی اشیاء کا نام ونشان نہیں تھا۔

میری دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اور میری انکھوں سے زاروقطار آنسو بہنے لگے۔ اس پریشانی میں مجھے دوبارہ لاریب کا خیال آیا جو کہ نجانے کہاں غائب تھی۔ میں نے آس پاس موجود طالبات سے پوچھا کہ شاید انہوں نے کسی کو میرے بیگ سے کچھ لیتا ہوا دیکھا ہو مگر کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ میری ساری دوستیں مجھے دلاسہ دینے لگیں۔ میری دوسری سہیلی فروہ نے لاریب کو فون کر کے بلایا۔ لاریب جو کہ فروہ کے مطابق کافی دیر سے بیت الخلاء میں تیار ہو رہی تھی کیونکہ اسے یہاں سے اپنی خالہ کی طرف جانا تھا۔ اس نے لاریب کو ضد کر کے بلایا تا کہ وہ آ کر میری دلجوئی کرے۔

جب لاریب میری طرف آئی تو میں نے غم میں اس سے پوچھا لاریب میرا فون کہاں ہے بس یہ پوچھنا تھا کہ لاریب کو مانو سانپ سونگھ گیا ہو۔ اس کو دیکھ کر ایسا لگا جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ لاریب نے خود کو سنبھالا اور بڑے مستحکم لہجے میں مجھ سے کہا اسے اس معاملے کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔ مجھے ہر کسی پر شک ہونے لگا، سمجھ نہیں آتا تھا کہ کس پر یقین کروں۔ بس بار بار رہ رہ کر یہی سوال

پریشان کرتا کہ کس نے یہ حرکت کی ہے۔

اسی پریشانی میں میں نے اپنی امّی کو اپنی دوست فروہ کے موبائل سے کال ملائی امّی کی آواز سنتے ہی میرے صبر کا باندھ ٹوٹ گیا اور میں دوبارہ رونے لگ پڑی۔ امّی میرے رونے سے بے حد گھبرا گئیں۔ انہوں نے مجھ سے بار بار پوچھا کہ آخر کیا ہوا ہے۔ میں نے روتے روتے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں انہیں ساری کہانی سنا دی۔ امّی نے مجھ سے کہا کہ میں وہیں رکوں وہ خود کالج آتی ہیں۔ کچھ دیر بعد امّی کالج آ پہنچی۔ وہ مجھے لے کر میری استانی مس شائستہ کے پاس چلی گئیں۔ مس شائستہ نے سارا ماجرہ سننے کے بعد لاریب کو اپنے آفس بلایا کیونکہ میرا اور لاریب کا لوکر ایک تھا ان کا پہلا شک لاریب پر ہی گیا۔ وہ مجھے، امّی اور لاریب کو سکیورٹی آفس لے گئیں جہاں سی سی ٹی وی کیمرا کی فوٹیج دیکھی جا سکتی تھی۔ اب مجھے تھوڑا اطمینان ہوا کہ شاید میرا موبائل مجھے واپس مل جائے۔

اس سب کاروائی کے دوران لاریب انتہائی بوکھلائی ہوئی تھی۔ آفس میں فوٹیج چل رہی تھی۔ پھر وڈیو میں لاریب لاکر روم میں داخل ہوتے ہوئے دکھائی دی۔ وہ کافی دیر لاکر کا دروازہ کھول کر کھڑی رہی۔ وہ کیا کر رہی تھی یہ جاننا مشکل تھا کیونکہ وہ لاکر کے اندر جھکی ہوئی تھی۔ مس شائستہ نے لاریب کو سخت لہجے میں پوچھا کہ وہ آخر اتنی دیر لاکر کھول کر کیا کر رہی تھی۔ مس کی سخت آواز سنتے ہی لاریب کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ لاریب کی یہ حالت دیکھ کر ہی مجھے یہ اندازہ ہوا کہ میرے ساتھ دھوکہ کرنے والی میری ہی سہیلی تھی۔ یہ انکشاف ہوتے ہی میرا دل دہل گیا۔ بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ لاریب میرے ساتھ ایسا کر سکتی ہے مجھے اس کے اقرار کے باوجود یقین نہیں آ رہا تھا۔

میں گھر آ کر بھی روتی رہی، افسوس موبائل چوری ہونے کا نہ تھا بلکہ لاریب کے دھوکے پر تھا۔ امّی نے مجھے گلے لگایا اور سب کچھ بھول جانے کا کہا۔ میں بھی کتنی بیوقوف تھی کہ اس کے کہنے پر ڈبہ تک اٹھا کر ساتھ لے گئی یہ تک نہ سوچا کہ وہ انٹرنیٹ پر بھی تو میرا فون دیکھ سکتی تھی۔ اسے میرا فون بیچنا تھا تبھی وہ مجھ سے اس کا ڈبہ، چارجر اور یہاں تک ہینڈ فی تک منگوا رہی تھی۔ جس روز یہ واقعہ پیش آیا اس روز آخری امتحان تھا جس کے بعد ہمیں سپرنگ بریک ہوگئی۔ وہ ایک ہفتہ میں نے گھر میں ایک کمرے میں بند گزارا۔ اپنی بچپن کی سہیلی کی اس حرکت پر مجھے بے حد ملال تھا۔ جب چھٹیاں ختم ہوئی اور میں کالج جانے کے لیے تیار ہوئی۔ بریک کے دوران میرا آمنا سامنا لاریب سے ہوا نہ چاہتے ہوئے بھی میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے اپنا منہ موڑ لیا۔

اس واقعے کے ایک ماہ بعد میری سالگرہ تھی۔ میں کالج پہنچی تو مجھے یاد آیا کہ یہ دن میں اور لاریب کس طرح ساتھ منایا کرتے تھے۔ سارا دن میرا کسی سے بات کرنے کا دل نہیں کیا۔ فروہ مجھے آخری کلاس سے پہلے یہ کہہ کر کمپیوٹر لیب لے آئی کہ اسے وہاں کوئی کام ہے۔ میں جب کمپیوٹر لیب میں داخل ہوئی تو ہر طرف اندھیرا تھا۔ میں ذرا حیران ہوئی لیکن جب آگے بڑھی تو دیکھا کے لیب کے ایک طرف میز پر ایک کیک پڑا ہے جو موم بتیوں کی روشنی میں جگمگا رہا ہے۔ لاریب اسی میز کے ساتھ ہاتھوں میں گلدستہ لیے کھڑی ہے۔ مجھے دیکھتے ساتھ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اس نے میری طرف قدم بڑھائے اور مجھ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگی۔ چاہے انسان اپنے چاہنے والوں کے ساتھ جتنا بھی برا نہ کریں لیکن جب وہ آپ کو روتا بلکتا دیکھتے ہیں تو ان کا دل بھی نرم ہو جاتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کو پیسوں

کی ضرورت تھی اور اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے یہ قدم اٹھایا۔ اسے اس بری طرح روتا دیکھتے ہوئے میرا دل بھر آیا اور میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ اس دن میں نے دو اہم باتیں سیکھیں، پہلی یہ کہ اندھا اعتماد کرنا انسان کی سب سے بڑی بے وقوفی ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ درگزر کرنے سے ہم اپنی زندگی بے حد آسان بنا سکتے ہیں۔

مقام محمدی ﷺ

(اعراس عامر)

مت پوچھیے کیا ہے مقام محمدی ﷺ

کوئی یوسف سے پوچھے کیا ہے حسن محمدی ﷺ
حسن کی ابتداء و انتہاء ہیں محمد ﷺ ہی

حسن یوسف کو دیکھ کر کٹ گئی تھیں انگلیاں
یہاں خود کٹ گیا تھا چاند دیکھ کر انگلی محمدی ﷺ

کوئی بڑھیا سے پوچھے کیا ہے اخلاق محمدی ﷺ
کوڑا پھینکنے کے باوجود عیادت کو جائے وہ ہے محمدی ﷺ

مت پوچھے کیا ہے مقام محمدی ﷺ

کوئی موسیٰ سے پوچھے کیا ہے رسائی محمدی ﷺ
دیکھ نہ پایا جسے موسیٰ وہ دیکھ سکتے ہیں محمد ﷺ ہی

کوئی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے پوچھے کیا ہے امامت محمدی ﷺ
دوران نماز جو قبلہ بدل لیں وہ ہیں محمد ﷺ ہی

کوئی حنین والوں سے پوچھے کیا ہے صبر محمدی ﷺ
جو پیٹ پر پتھر باندھے خندق کھودیں وہ ہیں محمد ﷺ ہی

مت پوچھیے کیا ہے معجزہ محمدی ﷺ
جو رب سے ملاقات کو جائیں اور پھر لوٹ آئیں وہ ہیں محمد ﷺ ہی

کوئی جبریل سے پوچھے کیا ہے رتبہ محمدی ﷺ
جو سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جائیں وہ ہیں محمد ﷺ ہی

کوئی امت سے پوچھے کیا ہے محبت محمدی ﷺ
رات بھر سجدے رہیں اور امت کو روئیں وہ ہیں محمد ﷺ ہی

مت پوچھیے کیا ہے مقام محمدی ﷺ

کوئی بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھے کیا ہے صورت محمدی ﷺ
چھت کعبہ پر جسے دیکھ کر اذاں ہوئی وہ ہیں محمد ﷺ ہی

مت پوچھیے کیا ہے تعریف محمدی ﷺ
الفاظ کی انتہاء ہے ابتداء ثناء محمدی ﷺ

مت پوچھیے کیا ہے مقام محمدی ﷺ
خود رب بیان کرتا ہے شان محمدی ﷺ

جناح کشمیر کا

(اعراس عامر)

یہ کشمیر یہ دیس یہ علاقہ اپنا
ہم مجاہد جانتے ہیں پلٹ کر جھپٹنا

شہادتوں سے بدلیں گے ہم تقدیر
وانی کی شہادت نے بنائی ہے تحریک

آج بھی گونجتی ہے وادی گولیوں کی آوازوں سے
چیخ رہی ہے انسانیت درد بھری آوازوں سے

کشمیر پکار رہا ہے جناح کشمیر کا
کشمیر ڈھونڈ رہا ہے جناح کشمیر کا

اس دنیا کے نام نہاد محافظ بیٹھے ہیں ایوانوں میں
جنت نظیر وادی کے مجاہد ہیں جنگ کے میدانوں میں

انصاف مانگتے ہیں کو محض کمزوری نہ سمجھو
حق چھینا ہم خوب جانتے ہیں

یہ معاملہ نہیں محض کتابوں کا
حصول کشمیر نہیں محض رسموں رواجوں کا

کشمیر پکا رہا ہے جناح کشمیر کا
کشمیر ڈھونڈ رہا ہے جناح کشمیر کا

آئے دن لہرایا جاتا ہے کشمیر میں پرچم پاکستان کا
بھارت کا اختیار کردہ رویہ نہیں ہے انسان کا

وہ وادی سہتی ہے ظلم سبھی
مگرنہیں ہے لب پر شکوہ کبھی

کشمیری کمزور نہیں
جذبہ ایمانی سے سرشار بھی

کشمیر پکار رہا ہے جناح کشمیر کا
کشمیر ڈھونڈ رہا ہے جناح کشمیر کا

کشمیری رکھ لیں گے ایمان کا بھرم
ناممکن کو ممکن بنائیں گے ہم

کشمیری چاہے ہوں وادی کی اس جانب چاہے اس کنارے پر
در حقیقت یہ سپاہی ہیں صرف اللہ کے سہارے پر

کشمیر مانگتا ہے محمد علی
جو بنائے اس کو اسلام کی کلی

کورونا

رومائزہ فیصل

کورونا سے ڈرنے والے
کیوں نہیں ڈرتے اس ذات سے

حکمرانوں کو کوستے ہیں
حکمرانوں کو بولتے ہیں
سدھار لو پہلے خود کو
پھر سدھارنا دوسروں کو

رہتے ہیں ہم اس ملک میں طنز کے ہیں ڈھیر سے
جس نے چھوڑا نہ اقبال کو چھوڑا نہ غالب کو وہ چھوڑتا ہے کیسے کورونا کو
بنا بنا کر میمیز سوشل میڈیا پر لگاتے ہیں مذاق اڑاتے ہیں

اب یہ بیماری بھی بنی ہے اک دھندا
ہوا صابن بھی مہنگا ہوا سینٹائزر بھی مہنگا ہوئی ہر چیز مہنگی

نیکی کر کے ان کو پکچر بنوانا ہے
ایسی نیکی کا کیا جو دنیا کو دکھلانا ہے
اچھے بول تو سبھی بول لیتے ہیں
کر کے دکھانا کسی کسی کو آتا ہے

ہیں امیروں کے یہ چونچلے ہیں امیروں کی یہ خواہشیں
جو نہ ملا انہیں برگر اور پیزا تو مر جائیں گے یہ بیچارے

تو سوچو اس غریب کا جو برسوں سے سڑ یلا اس غریبی میں

یوں تو میں بھی ہوں مٹی تو بھی ہے مٹی
گھمنڈ پھر یہ کس بات کا

بچے امیروں کو چاہتے نئے فون ہیں
بچے غریبوں کے ترستے ہر چھوٹی چیز کو ہیں

اکتا گئے یہ گھر سے اکتا گئے لاک ڈاؤن سے
تو سوچو اس کشمیر کا جو مہینوں سے ہے تالوں میں

ہے وقت نہیں یہ ڈرنے کا ہے وقت نہیں یہ لڑنے کا
ہے وقت یہ دور رہ کر سب کو بچانے کا

یہ سوچنے کی بات ہے
سمجھنے کا کام ہے

کورونا سے ڈرنے والے
کیوں ڈرتے نہیں اس ذات سے

دعا

رومائزہ فیصل

کبھی لوگوں کی باتوں میں آنا چھوڑ کر تو دیکھ
کبھی خود کی عقل لگا کر تو دیکھ
ٹیکتا ہے جو تو سجدے مزاروں پر
کبھی ایک سجدہ اپنے رب کو ٹیک کر تو دیکھ
مزاروں سے ماتھا ٹیکنے سے کچھ نہیں ہوتا
دعائیں تو گھر بیٹھے ہی قبول ہو جاتی ہیں
کبھی اس رب سے سچے دل سے مانگ کر تو دیکھ

حاصل

(رومائزہ فیصل)

لا حاصل کے پیچھے تو بھاگتے ہیں سب ہی
کبھی حاصل سے دل لگا کر تو دیکھو
کبھی جو ملا ہے، اس پر شکر کر کے دیکھو
کبھی غلط بات پر صبر کر کے تو دیکھو
کبھی شکوے نہ کر کے تو دیکھو
کبھی رنجشیں مٹا کر تو دیکھو
کبھی سکون پا کر تو دیکھو
اور ہاں کبھی اس رب سے راضی ہو کر تو دیکھو
پھر پا لو گے سب کچھ
لیکن پہلے رب سے شکایات چھوڑ کر تو دیکھو

اقدار

رومائزہ فیصل

کون سچا ہے کسے اپنا کہوں؟
سب ہی تو اپنے آپ میں گم ہیں
ذاتی مفاد کی ہے پرستش کرتے
کبھی بنتے ہیں تو کبھی بگڑتے

یہ جو مزاج کی ردوبدل ہے
ہے وقت کی ضرورت مگر غلط ہے
ہوتے ہیں موسموں کے اثرات طبیعت پر
مگر شخصیت و کردار بھی تو اہم ہیں

اک چاہ ہو پوری تو دوسری کی طلب ہے
ہے کھیل تماشہ نہ فکر نسل ہے
گئے وہ دور وہ جبکہ اخلاق محترم تھے
اب تو بس افادیت کی قدر ہے

دکھتا ہے دل زمانے کا حال دیکھ کر
اے انسان ! تو اپنی اقدار کا منکر
ہوں ادنیٰ، نہیں میں بھی کوئی بہتر
مگر اک کوشش بدلاؤ کی ہوں میں قائل

قطرہ قطرہ جو مل جائے تو ہو قلزم
ہر فرد جو بدلے تو زمانہ ہوجائے

جو تھام لیں ہم دامن اک دوسرے کا
یہ جہاں خوشیوں کا ٹھکانہ ہوجائے

ایک خیال

(ایمن ماجد)

وہ خیال ہمارا اور تصور تمہارا
ہونٹ ہمارے اور نام تمہارا
دن ہو وہ اپنا پر سورج تمہارا
اور راتوں کی چاندنی میں چاند تمہارا
آنے پے تیرے وہ دل کا مچلنا
اور ہمیں غیر جان کر گزرنا تمہارا
تمہاری اداؤں کے وہ سب قصے
ذہن نشین ہے ہر اک رخ وہ تمہارا
گھڑی دو گھڑی کی وہ نظر بندگی
اور زندگی ہماری ہے بسیرا تمہارا
بڑے مان سے عشق بیاں ہمارا
اور وہ دل توڑنا بھی یاد ہے تمہارا
ہمارے سوالوں کے وہ سب پلندے
اور اک مختصر سا وہ انکار تمہارا

احساس

(اسوہ متھیرا)

سنا ہے لوگ آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
چلو آج آنسو صاف کرکے دیکھتے ہیں

سنا ہے دنیا والے تماشائی ہیں
چلو آج تماشا کرکے دیکھتے ہیں

سنا ہے دنیا شکار ہے آج غم کا
چلو یہ غم بانٹ کر دیکھتے ہیں

سنا ہے اداس شاموں میں بیٹھتے ہو تنہا
چلو آج ساتھ بیٹھ ہی کر دیکھتے ہیں

سنا ہے برسوں سے محفلیں یار نہ ہوئیں
تو بھی نہ آیہ، آخر بات کیا ہوئی؟

کوئی غفلت ہے ایسی جو ہوگئی ہے مجھ سے؟
اس اداسی میں ہنسی کھوگئی ہے تجھ سے

سنا ہے لوگ چپ لگا کر چلے جاتے ہیں
چلو آج باتیں کہلوا کر دیکھتے ہیں

سنا ہے لوگ ڈپریشن کو دبا کر دیکھتے ہیں
چلو آج انہیں پھر سے ہنسا کر دیکھتے ہیں

سنا ہے دوست بچھڑ جاتا ہے کہیں دور
چلو آج اسے واپس بلا کر دیکھتے ہیں

سنا ہے نفرت و جھوٹ پہ چلتی ہے یہ دنیا
چلو آج محبت کا لفظ بلوا کر دیکھتے ہیں

سنا ہے انا میں ہا دیتے ہیں رشتے؟
چلو آج ہاتھ بھی تھام کر دیکھتے ہیں

سنا ہے مشکل میں چھوڑ دیتے ہیں ساتھ
چلو آج ہاتھ تھام کر دیکھتے ہیں

سنا ہے لوگ پاگل کہہ جاتے ہیں تمہیں؟
چلو آج انہیں پاگل بنا کر دیکھتے ہیں

کہو نہ تمہیں بھی یاد آتے ہیں وہ زمانے
چلو یادوں کو پھر سے دھرا کر دیکھتے ہیں

جسے ہو کم محفلیں یار کی
سنا ہے موت کو گلے لگا لیتے ہیں

موت آئے، اس سے پہلے
یار کو گلے لگا کر دیکھتے ہیں

غزل

(ناجیہ محمود)

درد ہے مگر وہ خاموش ہے
انساں نہیں کتاب فراموش ہے

وہ جو قہقہوں کا سہارا لیے بیٹھا ہے
وہ چہرہ نم آنکھوں سے پر جوش ہے

قلب غمگیں جو لیے بیٹھا ہے
دل وہی نور خدا سے بے ہوش ہے

ابھی بھی وقت ہے کہ اس کے جھک جانے میں
کیسا کاہل ہے جو جام غفلت سے مدہوش ہے

جو معمور ہے اپنی ہی ذات میں
وہی تو نشستہ غرور آغوش ہے

بے سکوں سکون کواب کیوں کر ڈھونڈے
ذات میں اپنی تو بھی تو نفس فروش ہے

وقت ہے اب بھی بدل لے اپنے دل کو
نظر آتا ہے گناہوں سے سیاہ پوش ہے

غزل

(ناجیہ محمود)

ہر جام محبت قرب خدا سے جا لگتا ہے
ہر سجدہ قرب محبت کا گواہ لگتا ہے

وہ جو عیاں ہے مسکان ہر چہرے پہ
نہاں اس کے پیچھے اشکوں کا دریا لگتا ہے

خوش مزاج بنا پھرتا ہے جو ہر کسی سے اب
وہ منافق بھی اب جا بجا لگتا ہے

پرستش وجود کی ہے ہر جگہ پہ
ڈر مجھ کو ان لوگوں سے بے پناہ لگتا ہے

وہ جو ہنستا رہتا ہے ہر ایک کی باتوں پہ
وہ دل مجھ کو اب ٹوٹا ہواسا لگتا ہے

ڈر ہے مجھ کو کہیں گر نہ جاؤں پھر سے
وجود پہلے ہی مجھ کو اپنا گم سا لگتا ہے

یہ لوگ

(ماہم اشفاق)

مانیں گے ہی نہ کسی روز یہ لوگ

اہل عزت و آبروئے دنیا یہ لوگ
کہ صرف کمزور ہی تو گنہگار نہ تھا

بلکہ خود بھی تو تھے گنہگار یہ لوگ

کہ جب سجے گا میدان حشر

سب کے چہرے عیاں ہوں گے وہاں

اس وقت کہاں جائیں گے

مالک عزت و آبروئے دنیا یہ لوگ

زمانہ روز کسی کو مثال بنا دیتے ہے عبرت کی

پھر کیوں نہیں سمجھتے حقیقت دنیا یہ لوگ

زندگی تو اک امتحان گاہ ہے

پھر خود کو کیوں سمجھ بیٹھے ہیں مالک دنیا یہ لوگ

مجاز سے حقیقت تک

آمنہ طلعت

بچپن سے غزلوں کی تشریح میں پڑھتے آئے کہ عشق دو قسم کا ہے ایک عشق حقیقی اور دوسرا عشق مجازی۔ اللہ سے ہو جائے تو حقیقی ہے اور اگر اللہ کے بندے سے ہو جائے تو مجازی ہے۔ عشق کی یہ وضاحت کبھی دل کو نہ بھائی تھی۔ ہمیشہ ایک خلل سا محسوس ہوتا تھا اس بات میں۔۔۔۔ کہ جو عشق زمین اور آسمانوں کی وسعتوں اور حقیقتوں کو سمیٹتا ہے، ایک نکتے پر یکجا کرتا ہے اس کی تعریف تقسیم کیسے کر سکتی ہے۔ خیر مرتا کیا نہ کرتا۔۔۔۔ اسی تعریف کو لے کر ہم صفحے کالے کرتے رہے مگر ایک دن یہ معمہ قدرے حل ہوا۔ بہترین استاد وہ ہے جو آپ کو یہ بتا دے کہ کہاں دیکھتا ہے لیکن یہ نہ بتائے کہ کیا دیکھتا ہے! اسی طرح ہمارے ایک استاد محترم نے کچھ سمجھایا تھا وہ تو سمجھا ہی گئے مگر ساتھ ساتھ دل کی اس الجھن کو سلجھانے کا وسیلہ بھی بنے جملہ تھا کہ

''یہ کوہ ہمالیہ کا پہاڑ ہے اس جملے میں غلطی یہ ہے کہ یا تو کوہ ہمالیہ ہوگا یا پھر ہمالیہ کا پہاڑ دونوں میں سے ایک اضافی اور بے مقصد ہے۔''

تب جا کر کہیں سوچا کہ شاید اسی طرح ''عشق حقیقی'' میں بھی ایک لفظ اضافی ہے یعنی یا تو حقیقت کہا جائے یا پھر ''عشق'' کیونکہ ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ عشق سے بڑی کوئی حقیقت نہیں اور حقیقت عشق کہ سوا اور کچھ نہیں جبکہ عشق مجازی کی اصطلاح اپنی ذات میں خود کسی حماقت سے کم نہیں۔ کیسا لگے اگر میں کہوں: 'آگ کا پانی' روشنی کا اندھیرا، یا پھر محبت کی نفرت وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح عشق کا مجاز کے ساتھ کوئی جوڑ ہی نہیں ہے کیونکہ یہ جذبہ ہے جو اللہ عزوجل سے اپنی ذات کے لیے خاص کر لیا ہے اور اس کی شان ہی نہیں کہ یہ فنا کے لیے پروان چڑھے۔

یہ تو وہ جذبہ ہے جو مادی کثافتوں اور فنا کے دلدل سے نکال کر بقا کی طرف کے راستے کھولتا ہے، انسان کی انسان کے لیے محبت کی نفی کر دینا اور اس حقیقت کو خواب خیال کرنا بزدلی اور بے وقوفی ہے۔ خلوص احساس اور احترام وہ رشتے ہیں جو روح کی ہمسائیگی سے پروان چڑھتے ہیں اور یہ دراصل ''عشق'' کے ہی سفیر ہوتے ہیں لیکن ان کو پختگی تب ملتی ہے جب یہ انسان کا سفر اور اس کا بڑھتا قدم اس کے اصل محبوب کی طرف لے کر جائیں کیونکہ

اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

انسان کی انسان کے لیے محبت چاہے کتنی ہی پرخلوص محترم اور مقدس کیوں نہ ہو تب تک اپنی معراج کو نہیں پا سکتی جب تک اللہ کے بندے میں اللہ نظر نہ آنے لگ جائے پھر وہ محبت عشق کے منصب پر فائز ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں مرتی کیونکہ خدا سے نسبت کو زوال نہیں ہے۔۔۔۔ عام فہم کی بات ہے کہ ہم جنس کا اثر مزاج اور سوچ پر زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام انسانوں تک پہنچانے کے لیے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کی انسان، بشر کی صورت میں مبعوث فرمایا تا کہ اثر روح میں اتر جائے اور احکام الٰہی کو ماورائے عقل یا نا قابل

عمل خیال نہ کیے جائیں لیکن پھر اللہ نے قرآن جن وانس کے لیے بھیجا ہے اب تمام جہانوں میں انسان تو نہیں ہیں۔ چرند پرند، شجر حجر، ہر مخلوق کے لیے آپ ﷺ اللہ کی حجت تمام ہیں۔اس کو سمجھنے کے لیے اپنے مدار کے دائروں سے باہر آنے کی ضرورت ہے۔ بشر ہیں یا نور۔۔۔۔ یہ بحث خود ہی انسان کی عقل کے محدود ہونے کی دلیل ہے یعنی انسان آر یا پار مانگتا ہے اور اس کے پاس سوچ کے صرف دو ہی پہلو ہوتے ہیں ہونا یا نہ ہونا۔۔۔۔زوال یا عروج۔۔۔۔اندھیرا یا روشنی۔۔۔۔ہاں یا نہ۔۔۔۔۔انسان کی عقل محدود ہونے کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ انسان وقت کا متبادل سوچ سکتا ہے؟ دن یا رات کے علاوہ کوئی نئی چیز یا کوئی اور طریقہ سوچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، انسان تو کوئی نیا رنگ بھی تخلیق نہیں کر سکتا۔۔۔۔ جو رنگ موجود ہیں وہ اس کے لیے کافی سے بھی بہت زیادہ ہیں۔اس لیے محدود کبھی لامحدود کو نہیں سمجھ سکتا۔انسان اپنی محدود عقل کے ہاتھوں مجبور ایک فیصلہ چاہتا ہے ہمیں کیا خبر کہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کی حقیقت کیا ہے وہ نور ہیں یا بشر یا دونوں، یا پھر نور سے افضل کچھ۔۔۔۔انہیں ان کے رب کے سوا کون جانے۔۔۔۔تصور کے پر چلتے ہیں اور عظمت کی ان بلندیوں پر عقل کے پر نہیں پہنچتے۔

عقل مشاہدے کی سیڑھی تک آنے کے لیے ضروری ہے بلکہ بہت ضروری ہے لیکن مشاہدہ فطرت کے لیے جو نگاہ کارآمد ہے وہ حیرت ہے۔عقل کے لیے فنا کا کام ہے یہ عقل کے نہ ہونے کا مقام ہے اور نہ ہونے کے لیے بھی ہونا پہلی شرط ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''اچھائی اور برائیوں کی وادیوں سے پرے ایک جگہ ہے۔۔۔۔میں تمہیں وہاں ملوں گا''

خیر۔۔۔۔موضوع پر واپس آتے ہیں کہ ہم جنس اثر امتزاج ہوتے ہیں اور سوچ پر بھی زیادہ اثر ہوتا ہے اس لیے شاید ہمیں اللہ کے عشق کا ادراک بھی تب تک نہیں ہو سکتا جب تک ہم اس جذبے کی ایک جھلک کا اپنے مدار کے مطابق اندازہ نہ کر لیں اس کے لیے بھی پہلے اپنے جیسے سے محبت کرنا ضروری ہے۔مثال کے طور پر احادیث مبارکہ میں آب کوثر کے پانی کے متعلق ہے کہ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے زیادہ سفید ہے۔اب جس کو شہد اور دودھ کا ہی نہیں پتہ وہ آب کوثر کی عظمت کو سمجھنا تو درکنار اس کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر رہے گا۔اعلیٰ کو سمجھنے کے لیے بھی پہلی شرط ادنیٰ سے مکمل آگاہی ہے۔۔۔۔جیسے

بی بی زلیخا کی محبت یوسف علیہ السلام کے لیے۔۔۔۔

تیس سال کا گریہ جس نے بینائی چھین لی۔۔۔۔کمر توڑ دینے والا غم۔۔۔۔ہجر کی تلخی ہر پل نامکمل ہونے کا احساس۔۔۔تمام تر مال ومتاع ان لوگوں کو انعام واکرام سے نوازتے لٹا دیا جو یوسف کی خبر لاتے تھے کہ آج یوسف یہاں سے گزریں گے۔۔۔ان میں سے اکثر خبریں جھوٹ ہوا کرتی تھیں۔۔۔مگر زلیخا کو کیا غرض۔۔۔۔ان کے لیے تو اپنا سب کچھ لٹا دینے کے لیے یہی وجہ کافی تھی کہ خبر یوسف سے منسوب تھی۔مصر کی ملکہ مصر کی گلیوں کو چھانتی پھرتی تھیں اس لیے کہ ادھر کسی گلی سے یوسف کا گزر ہوا اور وہ ان کی خوشبو کے تقدس کو محسوس کر لیں۔

اگر خاک نہ کر دے تو خاک عشق ہوا۔۔۔۔

زلیخا کا حال کا اندازہ لگانے کے لیے بھی ضروری ہے زندگی کی کشتی کبھی اس طوفان کی زد میں آئے

محبت کو سمجھتا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازہ طوفاں نہیں ہوتا

زلیخا نے ماسوائے محبت کے سب قربان کر دیا۔۔۔خود کو بھی۔۔۔اب اگر کچھ بچا تھا تو بس محبت۔۔۔لیکن یہ محبت معراج کو تب پہنچتی، جب یہ خیال حاوی ہوتا کہ

یہ تو یوسف ہیں، تو یوسف کا خدا کیا ہوگا۔۔۔مخلوق کا یہ عالم ہے تو خالق کیا ہوگا۔۔۔جس پر یوسف اپنا سب نچھاور کرتے ہیں وہ کیا ہوگا

بس۔۔۔پھر کچھ سوال جواب کے محتاج کہاں ہوتے ہیں۔۔۔وہ اس قدر واضح اور خوبصورت ہوتے ہیں کہ انسان اگر پوری عمر بھی ان کی لذت میں سر دو دھنتا رہے تو بھی حق ادا نہ ہو شاید۔۔۔بس درد کا حد سے گزرنا ہی شفا ہو چکا تھا اب

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہوجانا

مختصراً عشق تو نبی پاک V کے در پر پلتا وہ فقیر ہے جو اگر کسی کو ایک نظر دیکھ لے یا دعا دے تو اس کی رفتار اپنی اصل منزل کی جانب تیز ہو جاتی ہے۔۔۔محبت کے لیے ہی خاص دل مخصوص ہوتے ہیں یہ نغمہ واقعی ہر ساز پر نہیں گایا جاتا۔۔۔کیونکہ چاہت کو ہر ظاہری اور فانی چیز سے الگ کر کے اسے خالصتاً ادب کے پردے میں رکھنا اور روح سے وابستہ رکھنے کا نام محبت ہے اور بلا شبہ یہ ایک توفیق ہے جسے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق نبھانا لازم ہے اور بے شک خدا نیتوں اور دلوں کے حال سے پوری طرح واقف ہے اور بے شک وہ خون جاننے والا ہے۔

کوئی سمجھے تو اک بہت کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

مسکراہٹ پیام زندگی

ماہم اشفاق

زندگی کیا ہے؟ ایک حسین سراب، جس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے انسان موت کو گلے لگا لیتا ہے۔ یا پھر باغ میں کھلے ایک مہکتے ہوئے پھول کی مانند جو تھوڑے ہی عرصے میں مرجھ جائے گا لیکن باغ دوسرے پھولوں کی وجہ سے مہکتا اور پر رونق ہی رہے گا۔

کچھ اسی طرح اس زندگی کے غم اور خوشیاں ہیں کبھی انسان اپنی خوشیوں میں اس قدر مگن ہوتا ہے کہ بھول جاتا ہے کہ اس زندگی کا دوسرا پہلو یعنی رنج وغم بھی ہے اور کبھی حالات بالکل ہی برعکس ہو جاتے ہیں، یعنی انسان رنج وغم میں یوں گرفتار ہوتا ہے کہ اسے امید کا کوئی پہلو نظر ہی نہیں آتا۔

یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ زندگی دکھ، غم اور آزمائشوں سے ہی عبارت ہے، یہ دنیا اور یہ زندگی حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں یہاں کوئی لمحہ ٹھہرتا نہیں۔

ہم ساری زندگی اپنی مرضی کے مطابق بسر کر سکتے تو غم ہی کیا تھا؟ اور نہ ہی آزمائشوں کو زبردستی اپنی زندگی سے نکال کر پھینک سکتے ہیں۔ جو چیز انسان کے اختیار میں ہے وہ ہے امید۔

انسان اگر ہر حالت میں ہمت باندھے رکھے اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے تو مشکل کے ساتھ آسانی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیا میں وہی شخص کامیاب ہے جو مشکلات کے اندھیروں میں امید کا چراغ جلائے رکھے۔

تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل نہ ٹھہر آتش
گل مراد ہے منزل، خار راہ میں ہیں

اگر مشکلات کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جانے کا سوال اٹھے تو اس کا بہترین جواب صرف مسکراہٹ ہے، یہ واحد حوصلہ ہے جو انمول ہے۔ جو لوگ غم کی تاریک راتوں میں مسکراہٹ کا دیا جلاتے ہیں، آزمائشیں ان کے لیے ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ خوشیاں ان کے اردگرد رقصاں ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ بہت جلد ہمت کا ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے چہرے پر مایوسی کے سائے سجا لیتے ہیں، خوشیاں، راحتیں اور رونقیں ان سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ذرا سی ناکامی برداشت نہیں کر پاتے اور ذرا سی تکلیف آنے پر اپنے رب سے شکوہ شکایت شروع کر دیتے ہیں یہی بزدلی انہیں مزید اندھیروں کی طرف دھکیل دیتی ہے۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے، جو گھٹنوں کے بل چلے

ہمیں ناامیدی کے سیاہ بادلوں کے سائے سے نکل کر مسکراہٹ اور امید کی کرن کی طرف سفر طے کرنے کی ضرورت ہے۔ زندہ دل اور خوشی تلاش کرنے کے لیے اپنے اردگرد دیکھنا ہی کافی ہے۔ مظاہر قدرت جا بجا پھیلے ہیں اگر ان پر غور وفکر کیا جائے تو پتہ چلے کہ ہر

رنگ، ہر پھول، ہر خوشبو، ہر آواز، درت کا ہر نظارہ صرف سکون اور مسکراہٹ کا پیام دیتا ہے۔ رات کی تاریکی میں آسمان پر پھیلے ان گنت تارے، کوئی تیز جگمگاتا ہوا تو کوئی مدہم سا چمکتا ہوا، روشنی دینے والا خوبصورت چاند اکثر ہمارے چہروں پر مسکراہٹ لے آتا ہے۔ بس کیا یہ خوش ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا؟ صبح کے وقت زمین کو چھو جانے والی وہ پہلی کرنیں آنکھوں اور روح کو روشن کر دیتی ہیں۔ جب ننھی ننھی چڑیاں اپنی مدھر آوازوں سے کانوں میں رس گھولتی ہیں تو نہ چاہتے ہوئے بھی چہرے پر مسکراہٹ سجا جاتی ہیں۔

جب دن ڈھلتا ہے تو آسمان پر بکھرے شفق کے رنگ زندگی میں بھی رنگ بکھیر دیتے ہیں انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ جو پاک ذات دن کو رات میں بدل دیتا ہے وہ غم کو راحتوں میں بدلنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔

زندگی کے اس شور و غل میں اگر ہم تھوڑا وقت نکال کر غور کریں تو آسائشوں اور مسکراہٹوں کی وجہ رب کی بنائی ہوئی قدرت بھی بن سکتی ہے۔

زندگی زندہ دلی اور مسکراہٹ سے عبارت ہے، اس کو مایوسیوں اور ناامیدی کے پنجرے میں قید مت کریں۔

نوا پیرا ہوا ہے بلبل کے ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگرا پیدا